ادبی معرکوں کی روایت میں جوش وشاہد کے معرکے کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ
بحوالہ خصوصی "ساقی" (جوش نمبر)

A research and critical review of the controversy of Josh and Shahid in the tradition of literary controversy with special reference "Saqi" (Josh Number)

رخسانہ پروین
اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اُردو ایمرسن یونیورسٹی ملتان

Rukhsana Parveen
Assistant Professor of Urdu Emerson University Multan

Abstract:

The tradition of literary controversy is very old. The Arab's poets used the means of satire to establish their virtue and fame. Sometimes writers would be grouped and they would come to the level of personalities. In such a case, their art would go behind the scenes and their personality would be exposed. The writer is not only the reflection of society but also a sensitive and mature person of the society. That is why he adorns the knowledge, he acquires through his experiences and observations in the form of his thoughts. His thoughts leave a positive or negative effects on the rest of the society. Also chooses whether they belong to the genre of poetry or to prose but sometimes the point of view of one writer may differ from another. The way Shahid Ahmad Dehlvi disagreed with Josh Malihabadi on linguistic issues and it grew so much that both the writer go skewed and divided each other personal affairs and mudslinging which benefited neither literature nor their caste. But, promoted the negative impression by it. In this situation the reader became just a spectator. So, a writer should try this on his own, does not violate the literary requirements.

Keywords: Josh Malih Abadi, Shahid Ahmad Dehlvi, Afkar (Josh Number), Saqi (Josh Number), Literary Controversy.

ادبی معرکوں کی روایت عربی اور فارسی ادب سے اردو میں آئی۔ عرب میں زمانہ جاہلیت میں "سوق عکاظ" میں شعری مقابلے ہوا کرتے اور ایک قبیلے کے لوگ دوسرے قبیلے کے لوگوں پر پھبتی کستے، ہجو گوئی کرتے اور ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالتے تھے بعض اوقات شعراء اپنی فضلیت قائم کرنے کیلئے اپنا کلام ہر خاص وعام تک پہنچاتے اور اس بازار میں جمع ہونے والے لوگ ان شعری و ادبی مقابلوں سے لطف اندوز ہوتے یہ شعراء بحر اور قافیہ کے الٹ پھیر سے اپنے حریف کو مات دینے کی کوشش کرتے اور کبھی تو یہ

سلسلہ اس قدر دراز ہو جاتا کہ اس میں ذاتیات کے ساتھ ساتھ خاندان اور قبیلہ بھی لپیٹ میں آجاتا یہ ہجو گوئی حد اعتدال سے بڑھتی تو نہ صرف تعصب، طنز، قبیح، فحش گوئی کا شائبہ ہو تا بلکہ معیار میں بھی ابتذال کی صورت جھلکتی۔ سیاسی اور مذہبی رنگ سے قطع نظر شعراء ایسا اسلوب اختیار کرتے جس میں الفاظ کا چناؤ بڑی محنت سے کیا جاتا۔ پروین الٰہی لکھتی ہیں۔

"معرکے اور معارضے ایک ادبی نزاع نہیں بلکہ ہماری تہذیبی آویزشوں کا اشارہ بھی ہیں اردو ادب میں تنقید کا بہت بڑا سرمایہ انہیں معرکوں میں محفوظ ہے مذکورہ معرکوں میں محفوظ تنقیدی روایات مشاعروں اور مراختوں میں ابتداء سے دیکھنے کو ملتی ہیں۔ اردو شاعری کے ابتدائی دور میں ان محفلوں میں شعراء کے کلام پر بے دھڑک اعتراضات کیے جاتے تھے جن کے جواب میں شعرا اپنے بزرگوں کے کلام سے نظیریں پیش کرتے تھے معترضین کی یہ تنقیدیں کبھی کبھی ذاتی اختلافات اور بغض وعناد کا رد عمل ہوا کرتی تھیں اور معاملہ ذات پر کیچڑ اچھالنے تک پہنچ جاتا تھا"۔ا

عربی ادب میں یہ ہجو گوئی قبائل کی چشمک کی صورت میں اور فارسی ادب میں درباروں سے وابستگی کی شکل میں ظاہر ہوئی۔ بادشاہ اور امراء روکنے کی بجائے ایسے شاعروں کو انعام واکرام سے نوازتے اور اپنے درباری حلقے میں شامل کر لیتے اس طرح یہ فن شکوہ شکایت اور حسد ورشک کی گود میں پروان چڑھا اور ہجو وقصائد کی صورت میں بڑے بڑے ادبی معرکے وجود میں آئے۔

ڈاکٹر یعقوب عامر ادبی معرکوں کے حوالے سے بات کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"ادبی معرکے میں فریقین کے اختلاف رائے میں شدت کی وجہ سے ٹکراؤ پیدا ہو جاتا ہے جس سے اس میں ان کی ذات اور شخصیت بھی شامل ہو جاتی ہے پھر اظہار، اختلاف یا مسابقت کے ساتھ ساتھ جذبہ مخاصمت بھی ظاہر ہونے لگتا ہے اور اس کے نتیجے میں گروہ بندی اور ایک دوسرے کے مقابلے میں صف آرائی شروع ہو جاتی ہے اور پھر یہ مباحث علمی و ادبی حدود میں نہ رہ کر ذاتیات کی سطح پر بھی آکھڑے ہوتے ہیں۔ یہیں سے ذاتی رنجشیں اور بغض وعناد کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ کھلے بندوں ایک دوسرے کی عیب جوئی ہوتی۔ خاندانی اور جسمانی کمزوریوں کو نشانہ بنایا جاتا ہے۔ ایک دوسرے پر الزام لگائے جاتے ہیں ایک دوسرے کو مطعون کیا جاتا ہے۔ آپس میں دست و گریبان ہوتے ہیں اور کبھی کبھی کشت وخون بھی ہو جاتے ہیں ادبی معرکوں میں یہ سب چیزیں شامل ہیں اور ہونا بھی چاہیے کیونکہ ان سے ایک خاص قسم کا ادب وجود میں آتا ہے ایسا ادب جو مصنف کی اس شخصیت کو بے نقاب کرتا ہے جو فن کی عظمت میں دب جاتی ہے۔ "۲

امیر حسین نورانی کی تحقیق کے مطابق دہلی میں شعر و سخن کی محفلیں ولی کی آمد کے بعد قائم ہوئیں اور ان میں برابر ترقی ہوتی رہی اس عہد سے معاصرانہ چشمکوں کا آغاز ہوا۔۳ شاہ حاتم اور خان آرزو کے شاگردوں سے اردو میں بھی ادبی معرکہ آرائیاں شروع ہوئیں۔ ان ادبی معرکوں میں زبان، صوبوں، تحقیق اور شعر و ادب کے نام پر معرکے ہوئے مگر شخصی معرکوں کی صورتحال انتہائی

افسوس ناک ہوئی اور نہایت عبرت ناک نتائج سامنے آئے شعراء کے اختلافات بڑھ کر جنگ و جدال تک پہنچ گئے اور عام اخلاقی قدریں بھی متاثر ہوئیں اور بات حد اعتدال سے تجاوز کر گئی۔

ان ادبی معرکوں کو مختلف تذکرہ نگاروں نے اپنے تذکروں میں جگہ دی مگر "نقوش "کو اس معاملے میں اولیت حاصل ہے کہ اس نے ان تمام ادبی معرکوں کو یکجا کیا اور اسے دو جلدوں میں شائع کیا۔ یہ دونوں جلدیں 'ادبی معرکے نمبر' کے عنوان سے شمارہ ۷، ۱۲ ستمبر ۱۹۸۱ء میں شائع ہوئیں۔ پہلی جلد پانچ ابواب اور ۶۰۸ صفحات پر مشتمل ہے جبکہ دوسری جلد ۱۳ ابواب اور ۵۱۱ صفحات پر مشتمل ہے ۔ پہلی جلد میں لسانی، تحقیقی اور صوبوں کے حوالے سے معرکوں کا تذکرہ ہے جبکہ دوسری جلد میں شخصی معرکوں کو یکجا کیا گیا ہے ان میں دیگر شعراء کے معرکوں کے علاوہ جوش و شاہد کا معرکہ بھی شامل ہے ان دونوں ادیبوں کا لب ولہجہ اس قدر تیکھا اور تلخ ہوا کہ باتیں خلاف تہذیب ہوئیں حالانکہ ان دونوں کی عظمت و انفرادیت سے انکار ممکن نہیں کیونکہ شاہد احمد دہلوی ڈپٹی نذیر احمد کے پوتے اور میاں بشیر الدین کے بیٹے تھے گویا ادبی ماحول اور ادب سے لگاؤ ان کی گھٹی میں شامل تھا۔

ڈاکٹر صابرہ سعید لکھتی ہیں۔

> "زبان ان کو بزرگوں سے ورثے میں ملی۔ استعارات، تشبیہات ضرب الامثال، روزمرہ اور محاوروں وغیرہ کو برتنے کا خاص سلیقہ رکھتے ہیں مختلف صنعتوں کے برجستہ استعمال سے زبان میں خاص طرح کی شوخی اور بے تکلفی پیدا کی ہے۔"۴

ادب کے ساتھ ساتھ مذہبی ماحول میں بھی پرورش پائی۔ "ساقی" کی ادارت بھی کی۔ تحقیق و جستجو کا مادہ ان میں موجود تھا اس لیے اکثر مطبوعات اور تخلیقات پر تنقید و تبصرہ کا سلسلہ چلتا رہتا تھا شاہد احمد دہلوی خود اپنی ذات میں ایک ادارے کی حیثیت رکھتے ہیں ان کی ہمہ گیر شخصیت کا احاطہ بڑا دقیع کام ہے۔

شاہد احمد دہلوی کی شخصیت میں بے باکی کا عنصر بھی پایا جاتا ہے اس لیے جب بھی کسی ادب کے متعلق کوئی نقطہ نظر یا رائے قائم کر لیتے تھے پھر بغیر کسی رورعایت کے اسے پیش کر دیتے اور اس میں وہ کبھی نہ گھبراتے اور نہ ہچکچاتے ان کی شخصیت کے اسی پہلو نے ان کو روایت شکنی پر مجبور کیا جس کا اظہار "ساقی "کے "جوش نمبر" کی صورت میں ہوا۔

جوش ملیح آبادی کا تخلیقی سفر "روح ادب "سے یادوں کی برات"تک مختلف جہات کی عکاسی کرتا ہے ان کی تخلیقات ان کے ذہنی ارتقا کی آئینہ داری کرتی ہیں۔ ان کا کلام الفاظ کی خوبصورت قوس قزح ہے۔ جوش ملیح آبادی بڑے حرف شناس تھے اور الفاظ کے بیان پر انہیں قدرت حاصل تھی وہ کہتے ہیں۔

لیلائے سخن کو آنکھ بھر کر دیکھو
قاموس و لغات سے گزر کر دیکھو
الفاظ کے سر پر نہیں اُڑتے معنی
الفاظ کے سینوں میں اُتر کر دیکھو۵

یہ جوش ہی تھے جو لکھتے ہوئے لفظوں کا اک کارواں ساتھ لیے چلتے تھے ان کی ہوشیار نگاہ ان کا انتخاب کرتی چلی گئی اور وہ انہیں اپنی تحریر میں استعمال کرتے جاتے اس ضمن میں علی احمد فاطمی لکھتے ہیں۔

> "حرف 'لفظ 'زبان ان سب کی قدر و قیمت تسلیم، یہ بھی اعتراف کہ فکر کا پہلا حوالہ لفظ ہی ہوا کرتے ہیں۔ جوش نے بھی الفاظ کی قدرو قیمت پر خوب

باتیں کی ہیں۔۔۔پھر ایسے میں اگر جوش الفاظ کے جادوگر ہیں تو اس اعتبار سے جوش کو بڑا شاعر ماننے میں تامل کیوں۔۔۔جوش نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ الفاظ بھی آدمیوں کی طرح ہوتے ہیں، بڑھتے گھٹتے ہیں گوشہ نشین رہتے ہیں اور سفر کرتے ہیں یہ بھی اپنی خاص مزاج، عادات رسوم، روایات اور تاریخی واقعات رکھتے ہیں ان کی دنیا میں ذات پات اور مذہب ومعاشرت کا رواج ہے"۔٦

یہی وجہ ہے کہ جوش کو اپنی اس زبان دانی پر ناز تھا خاندانی امتیاز کے ساتھ ساتھ نگاہ اور خیالات میں طاقت پرواز نے ان کی فطرت کو تحرک عطا کیا۔ مطالعے اور مشاہدے کی وسعت بڑھی تو جہاں شعر و سخن کی دنیا میں خیالات و افکار میں تبدیلی آئی وہیں فکر روزگار نے بھی انہیں گھر سے بے گھر کیا اور جوش، ملیح آباد سے نکل کر ۱۹۲۵ء میں حیدر آباد دکن آ پہنچے۔ یہاں ''روح ادب''بطور شاعر جوش کے نقش لوگوں کے دلوں پر قائم کر چکی تھی۔ جوش جب حیدر آباد پہنچے تو ان کے پاس مہاراجہ کشن پرشاد کے نام اقبال کا خط تھا جس میں انہوں نے جوش کی ملازمت کے حوالے سے مہاراجہ کو سفارش کی تھی لیکن انگریزی حکومت میں عہدوں کی تبدیلی کی وجہ سے مہاراجہ اس شان وشوکت کے حامل نہ رہے تھے لہذا ان کی توسط سے ملازمت کا ملنا محال نظر آتا تھا اس لیے جوش ملیح آبادی نے ابتدا میں عثمانیہ یونیورسٹی میں بطور اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اُردو میں ملازمت کی اور بعد میں حضور نظام میر عثمان علی خاں نے جوش کی صلاحیت و قابلیت کو دیکھتے ہوئے سید علی حیدر نظر طباطبائی کی رائے سے ناظر ادبی دارالترجمہ میں انہیں تعینات کر دیا۔٧

اس دارالترجمہ میں تراجم کے علاوہ نایاب اور کم یاب کتابوں کی دوبارہ اشاعت کا کام بھی کیا جاتا تھا اسی دارالترجمہ میں ڈپٹی نذیر احمد کی کتاب ''منتخب الحکایات''جو اخلاقی کہانیوں پر مبنی ہے اور ۱۸٦۸ء میں اس کی پہلی اشاعت ہوئی۔ چونکہ یہ کتاب کمیاب تھی ا س لیے دوبارہ تدوین اور اشاعت کے لیے شاہد احمد دہلوی سے یہ کتاب منگوائی گئی اس وقت اُردو بورڈ کے سیکرٹری شان الحق حقی صاحب تھے انہوں نے اس کتاب کی تدوین کی ذمہ داری جوش ملیح آبادی کو سونپی تو جوش ملیح آبادی کو لسانی حوالوں سے کچھ غلطیاں نظر آئیں جن کی جوش ملیح آبادی نے اصلاح کر دی، انہوں نے اس کتاب پر شاہد احمد دہلوی کے لکھے ہوئے مقدمے میں بھی اغلاط کی نشاندہی کی اس کی اطلاع جب شاہد احمد دہلوی کو پہنچی تو انہیں اس بات کا بہت غصہ آیا اور یہ غصہ دل میں رکھے رہے اس وقت تک شاہد احمد دہلوی او جوش ملیح آبادی کی ملاقات نہ ہوئی تھی جب ایک قضیے کی وجہ سے جوش ملیح آبادی ۱۹۳۵ء میں حیدرآباد دکن سے دہلی آئے تو ان کی ملاقات شاہد احمد دہلوی سے ہوئی مگر یہ جان پہچان دو چار ملاقاتوں سے زیادہ نہ تھی۔ اس معرکے کا آغاز اس وقت ہوا جب صہبا لکھنوی نے اکتوبر نومبر ۱۹٦۱ء میں ''افکار، کا جوش نمبر''شائع کیا چونکہ صہبا لکھنوی مردہ پرستی کی روایت کو ختم کرنا چاہتے تھے اس لیے انہوں نے جوش کی زندگی میں ہی ''جوش نمبر''شائع کرنے کی ٹھانی اور انہوں نے شاہد احمد دہلوی سے درخواست کی کہ وہ جوش کے حوالے سے مضمون تحریر کریں اب شاہد احمد دہلوی نے اس غصے کا اظہار مضمون کی صورت میں اس طرح کیا کہ جوش ملیح آبادی کی ذات اور شخصیت کو نشانہ بنایا چونکہ خاکہ لکھنے میں تو ماہر تھے اس لیے بڑی جزئیات کے ساتھ مضمون تحریر کیا ور ان دل کے پھپھولوں کو پھوڑا جو کئی سال پہلے دل پر لگے تھے اور اس کا اظہار ''جوش ملیح آبادی'' دیدہ وشنیدہ''میں اس طرح کیا۔

''خیر میری زبان تو وہ ٹھیک کر سکتے ہیں مگر جس کی کتابیں پڑھ کر ہم سب نے اُردو زبان سیکھی اُس کی زبان میں بھی جوش صاحب کو غلطیاں نظر آ گئیں ''۔٨

اوراس کے علاوہ جوش کی فطرت اور نجی معاملات کو بھی قابل اعتراض ٹھہرایا، اس میں جوش کا بہت زیادہ شراب پینا اور مفت کی پینا، حیدرآباد سے جوش ملیح آبادی کا نکالا جانا، ہندوستان کی شہریت نہ ملنا، جوش ملیح آبادی کو بے پیندی کا بدھنا کہنا، رائٹرز گلڈ میں عہدے کی خواہش رکھنا اور سکندر مرزا کے ہاتھوں جوش ملیح آبادی کی تذلیل ہونا، ان تمام باتوں کا اظہار اس مضمون میں کیا گیا اور پورے مضمون میں جملے بھی تضحیک آمیز استعمال کیے مثلاً

''عمدہ اور مفت کی ملتی تھی، اس لیے گلاس پر گلاس چڑھاتے تھے''۔۹

''جوش کو انہوں نے دارالترجمہ کے پول میں دھانس دیا''۔۱۰

''ان کے دل میں یہ بات سمائی ہوئی ہے کہ انہیں گلڈ میں کوئی بڑا عہدہ ملنا چاہیے تو گویا گلڈ میں عہدوں کی خیرات بٹ رہی ہے۔ جس کی تقسیم ان کے گھر سے شروع ہونی چاہیے''۔۱۱

''ماشاء اللہ خوش خور ہیں جبھی پینسٹھ برس کی عمر میں بھی ٹانٹے بنے ہوئے ہیں سچ ہے ایک ڈاڑھ چلے ستر بلا ٹلے''۔۱۲

غرض پورا مضمون جوش ملیح آبادی کے کردار پر کڑی تنقید ہے۔ مگر ابھی بھی شاہد احمد دہلوی کا کہنا ہے کہ جب صہبا لکھنوی نے افکار'' کے جوش نمبر کے لیے مضامین لکھوانے شروع کیے تو میں نے بھی ان کے اصرار کرنے پر مضمون لکھ دیا۔ مگر کچھ واقعات کے متعلق شاہد احمد دہلوی لکھتے ہیں کہ

''انہیں اندیشہ تھا کہ ان واقعات کی اشاعت سے جوش صاحب کو نقصان پہنچ سکتا ہے میں نے انہیں نقصان پہنچانے کے لیے نہیں لکھا ہے چنانچہ صہبا صاحب نے جوش صاحب کے سیاسی خیالات، مذہبی معتقدات اور بعض جنسی واقعات کو مضمون میں سے خارج کر دیا مضمون چھپ گیا''۔۱۳

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مضمون کے جو حصے صہبا لکھنوی نے خارج کیے ہیں ان کی کاٹ کیسی ہو گی؟ اس مضمون کے شائع ہونے کے بعد جوش کا ردِ عمل تو سامنے آنا ہی تھا شعلہ مزاج طبعیت پر ایسے مضمون نے تیل کا کام دیا اور پھر وہ تو شاید برداشت کر جاتے مگر دوستوں کے اکسانے پر اس کا جواب لکھنے پر مجبور ہو گئے۔

جوش ملیح آبادی نے اپنے کردار پر لگائے گئے الزامات کا جواب ''افکار'' کے ''جوش نمبر'' شائع ہونے کے پانچ ماہ بعد ۲۰ اپریل ۱۹۶۲ء میں ایک مضمون ''ضربِ شاہد بفرق شاہد باز'' کے عنوان سے پیش کیا جو پچیس صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ پورا مضمون ان اعتراضات کے جواب میں دلیل پر مبنی ہے۔ اور جوش واضح طور پر اس کا اعتراف کرتے ہیں۔

'' قارئین کرام! یہ تمام جوش دیدہ وشنیدہ'' اسی عظیم سانحے کے بطن سے پیدا ہوا ہے اگر دادا کی شان میں گستاخی مجھ سے سرزد نہ ہو جاتی تو پوتے کی یخ بستگی مجھ پر اس برق افشانی و شعلہ باری نہ فرماتی مجھ نامراد کو کیا معلوم تھا کہ سرکار شاہد سے ایک خالص ادبی خدمت کا مجھ کو یہ صلہ ملے گا''۔۱۴

جوش ملیح آبادی نے نہایت باریک بینی سے شاہد احمد دہلوی کے مضمون کو پڑھا اور پھر ایک ایک نکتے کی وضاحت کرتے گئے البتہ انہیں ''مفت'' کی شراب پینے والے پر غصہ آیا اور اس کا جواب انہوں نے بہت تلخی سے دیا اور کہا۔

''اسی کے ساتھ ساتھ شاہد صاحب نے مجھے '' مفت کی شراب پینے والا تحریر فرمایا ہے ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ مفت کی وہ پیتے ہیں جن کی جیب میں خاک اڑتی ہے اور جن کی غیرت مفلوج ہوا کرتی ہے اور جو ٹٹ پو نجئے خاندانوں یا سود خور ملاؤں یا غاصب حاکموں کے پٹھو علمائے کرام کے گھر میں جنم لیتے ہیں اور وہیں تربیت بھی پاتے ہیں''۔۱۵

اس کے بعد جوش ملیح آبادی نے ایک ایک کر کے تمام الزامات کی وضاحت پیش کر دی مگر شاہد احمد دہلوی کے کردار کو نشانہ نہیں بنایا البتہ انہیں ہر الزام میں اس بات کا قلق ہے کہ شاہد احمد دہلوی ''سنا'' ہے کہ کر اپنی بات بیان کرتے چلے جاتے ہیں اس لیے ان کے ایسے تمام الزامات بے بنیاد ہیں۔ جوش ملیح آبادی کے نزدیک چونکہ شاہد احمد دہلوی احساس کمتری کے مرض میں مبتلا ہیں اس لیے دوسروں کی تذلیل میں وہ خوشی محسوس کرتے ہیں۔ اس کا اظہار وہ اس طرح کرتے ہیں۔

''وہ احساس کمتری کے مرض میں گرفتار ہو گئے ہیں اور جیسا کہ اس مرض میں ہوا کرتا ہے اُن میں یہ میلان پیدا ہو گیا ہے کہ وہ ادب و موسیقی کے کامیاب و معروف اساتذہ کا منہ چڑھائیں اور ان پر کیچڑ اچھالیں کہ ان مریضوں کا انہیں باتوں سے کلیجہ ٹھنڈا ہوا کرتا ہے۔ کاش میاں شاہد احمد مشہور ہوتے۔ اے بارِ خدا وہ مشہور ہو جائیں کاش وہ تندرست ہوتے، اے بار خدا وہ تندرست ہو جائیں''۔۱۶

جوش ملیح آبادی نے شاہد احمد دہلوی کے لہجے پر بھی چوٹ کی اور اپنے مضمون کا اختتام اس بات پر کیا

'' شاہد میاں آپ ایک خاندانی اور شریف انسان ہیں آپ اس بات کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ ایک شریف انسان ہمیشہ عیب پوش ہوتا ہے نہ کہ عیب فروش''۔۱۷

اس مضمون کے شائع ہونے کے تقریباً ڈیڑھ سال بعد شاہد احمد دہلوی نے شمارہ نمبر ۴ جلد ۶۸ ،اکتوبر ۱۹۶۳ء میں '' ساقی'' کا ''جوش نمبر'' شائع کیا یہ شمارہ ۵۷۶ صفحات پر مشتمل ہے اس میں ۹۹ مضامین شامل کیے گئے اس شمارے میں جوش کے خلاف لکھنے والوں میں سید سلمان ندوی، ڈاکٹر غلام مصطفی خاں، ڈاکٹر خلیل الرحمن اعظمی ، پروفیسر خواجہ محمد زکریا، وارث علوی، ڈاکٹر شوکت سبزواری اور شاہ عارفی جیسے نمایاں نام شامل ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ اخبارات اور جرائد مثلاً سیاست، تحریک، نمکدان اور ادیب میں بھی جوش کے خلاف شائع ہونے تبصروں کو شامل کیا گیا ہے۔ شاد عارفی نے اپنے مضمون ''مکتوب شاد'' میں جوش ملیح آبادی کے مضمون '' دیدہ و شنیدہ'' کے حوالے سے شاہد احمد دہلوی کا دفاع کیا۔ اردو رسائل و جرائد کی تاریخ میں یہ واحد مثال ہے کہ کسی بھی شخصیت پر شائع ہونے والا خاص نمبر مکمل طور پر اس کے خلاف شائع ہوا اردو رسائل و جرائد کی دنیا میں کسی رسالے نے ایسا نہیں کیا اس بار بھی شاہد احمد دہلوی نے اپنے بزرگوں کی عزت کو سامنے رکھ کر جوش ملیح آبادی کے کردار اور شخصیت کی دھجیاں اڑادیں وہ لکھتے ہیں۔

'' پھر سنا کہ جوش صاحب اپنے جوابی مضمون میں میرے باپ دادا کو بھی رگڑ رہے ہیں یہ بات مجھے بہت بری لگی''۔۱۸

''ساقی'' کے ''جوش نمبر'' کے پیش لفظ بعنوان ''نگاہ اولیں'' میں شاہد احمد دہلوی نے واضح کیا کہ میں نے باہمی دوست جمیل جالبی اور قدوسی صاحب کے ذریعے کہلوایا کہ وہ مضمون کا جواب لکھنا چاہتے ہیں تو لکھیں لیکن میرے باپ دادا کو اس میں شامل نہ کریں

اور اگر ایسا کیا تو اس کا جواب الجواب "جوش نمبر" ہو گا لیکن شاہد احمد دہلوی کا کہنا ہے کہ جوش باز نہ آئے اور اس میں میرے باپ دادا کے خلاف لکھا اب جوش سے کیا ہوا وعدہ تو مجھے پورا کرنا تھا اس لیے "جوش نمبر" شائع کیا۔

اس خاص نمبر میں دو مضامین بعنوان "ایک خط" از عصمت چغتائی اور "ایک مکتوبی مثلث" از شاہد احمد دہلوی اور محمد طفیل ثالثی مضامین اور ثالثی کردار کے طور پر سامنے آتے ہیں اس مضمون میں محمد طفیل نے شاہد احمد دہلوی سے بذریعہ خط اس بات کا تقاضا کیا کہ وہ ایسا کرنے سے باز رہیں۔ لکھتے ہیں۔

> "شاہد بھائی اب آخر میں آپ سے پھر یہی کہتا ہوں جو ہوا سو ہوا مٹی ڈالیے اس پہ آیئے میں آپ کو جوش صاحب سے گلے ملواؤں سینے سے سینے لگے گا تو کدورتیں دور ہوں گی ۔۔۔۔۔ لہذا چھوڑیے اس قضیے کو ورنہ آدمی آپ کو برا کہیں گے دس آدمی جوش صاحب کو برا جانیں گے فائدہ کچھ نہ ہو گا بلاوجہ تُھڑی تُھڑی ہو گی"۔۱۹

شاہد احمد دہلوی اور محمد طفیل کی خط و کتابت پر مشتمل اس طویل مضمون میں شاہد احمد دہلوی نے محمد طفیل سے اصرار کیا کہ وہ جوش پر اپنا مضمون لکھ کر بھیجیں اگر مضمون نہیں لکھ سکتے تو کم از کم میرے اور جوش کے مضامین پر ایک محاکمہ لکھ دیں مگر محمد طفیل رضامند نہ ہوئے اور بارہا اس بات کا تقاضا کیا کہ وہ ایسا نہ کریں کیونکہ یہ اچھی مثال قائم نہ ہو گی مگر شاہد احمد دہلوی بضد تھے کہ

> "اپنا استخفاف کوئی گوارا نہیں کرتا میں بھی بے غیرت نہیں ہوں کہ اپنی ذلت گوارا کر لوں، اسے اگر آپ چاہیں تو "خطرناکی" سے تعبیر کر سکتے ہیں"۔۲۰

سو، وہی ہوا، بے شمار طباعت، کتابت کی مشکلات کے باوجود "ساقی" کا ایک رخا مزاج کا حامل شمارہ منظر عام پر آ گیا شاہد احمد دہلوی کو جوش کے خلاف مضامین اکٹھے کرنے کے لیے ہندوستان کا چکر بھی لگانا پڑا اور یہ شمارہ جوش کے خلاف ایک محاذ بن کر کھڑا ہوا۔ اس شمارے میں شامل عصمت چغتائی کا مضمون "خط لکھنا شروع کیا تھا مگر۔۔۔۔۔" ایک ثالثی خط ہے جس میں وہ لکھتی ہیں

> "آپ نے ان پر مضمون لکھا، آپ کو حق حاصل تھا وہ بگڑ کھڑے ہوئے، انہیں حق حاصل ہے۔ دیکھیے اگر کسی کو آپ چھیڑیں اور وہ چڑ کر اینٹیں پھینکنے لگے تو آپ سنجیدگی سے اس سے غصہ نہیں ہو سکتے آپ ہنس کر ٹال جائیں۔ یہ کیا کہ آپ نے بالکل اکھاڑا جما ڈالا، نہیں شاہد بھائی۔ جوش بہت ذلیل ہیں مگر بہت پیارے ہیں انہیں دکھ نہ پہنچے تو اچھا ہے وہ کہیں چلے جائیں، کچھ بھی کریں ان سے جو ہمارا رشتہ ہے وہ نہیں ٹوٹ سکتا انہیں دکھ پہنچا تو بڑی تکلیف ہو گی کیا آپ کے ہاں درگزر کا کوئی صیغہ ہی نہیں جواب دینا ضروری ہے اور وہ بھی منہ توڑ جواب؟"۔۲۱

محمد طفیل نے بھی اپنے ایک خط میں اس کا اظہار کیا کہ اگر جواب دینا ضروری ہے تو آپ بھی ایک مضمون لکھ دو، یہ کیا کہ پورا شمارہ ہی جواب کے لیے وقف کر دو۔۲۲ مگر شاہد احمد دہلوی نے کسی کی نہ سنی اور شمارہ شائع کر کے ہی دم لیا۔ بات صرف یہیں تک نہیں بلکہ اس شمارے میں اپنا ایک مضمون "نہ جنتی نہ ڈھول بجتے" بھی شامل کیا جو تڑکا لگانے کے لیے کافی تھا۔ اب کی بار شاہد احمد دہلوی نے جوش ملیح آبادی کے مضمون "ضربِ شاہد بفرق شاہد باز" کا جواب لکھا اور اسی طرز تحریر سے جس میں جوش ملیح آبادی نے تحریر کیا تھا۔ یہ مضمون ۳۷

صفحات پر مشتمل ہے یہ مضمون کیا ہے؟یوں محسوس ہوتا ہے کہ بڑے ادیبوں کی گفتگو نہیں بلکہ عورتوں کے کوسنے ہیں جو وہ لڑائی جھگڑے کے وقت ایک دوسرے کو دیتی ہیں ملاحظہ ہوں شاہد احمد دہلوی کے چند جملے:

''یہ ان کی پرانی عادت ہے کہ ذرا سی بات بھی اگر اپنے خلاف سنتے ہیں تو منہ سے کف اڑانا شروع کر دیتے ہیں''۔۲۳

''اللہ موٹا بنائے مگر موٹی عقل والا نہ بنائے جب موٹے جسم میں موٹی عقل سما جائے تو بس کچھ کہنے کا مقام نہیں''۔۲۴

''جوش صاحب تو بڑے کائیاں، خود غرض اور زمانہ ساز آدمی ہیں''۔۲۵

''دو چار چٹکیوں ہی میں بلبلا گئے فرد عمل بھلا کہاں سمائیگی؟''۔۲۶

''یہ بتایئے کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ آپ اپنے دادا کے پوتے اور اپنے باپ کے بیٹے ہیں؟''۔۲۷

''اور اگر جوش صاحب کا روئے سخن میری طرف ہے تو میں تو شراب کو شیطان کے پیشاب سے بھی نجس تر سمجھتا ہوں اور شراب پینے والے پر لعنت بھیجتا ہوں''۔۲۸

''آپ کے دادا کا تو کسی نے نام بھی نہیں سنا میرے دادا نذیر احمد شمس العلما تھے''۔۲۹

''بے غیرتی اور ڈھٹائی دیکھیے کہ بڑے فخر سے فرماتے ہیں میں پورے پندرھویں دن وہاں سے روانہ ہوا تھا۔''۳۰

وہاں تو گدھیا کے کان اینٹھے جاتے تھے چنانچہ آپ کو اس نے خارج البلد کر دیا حافظہ آپ کا کمزور ہو چلا ہے''۔۳۱

''ان کے پاس دلی یا لکھنؤ کی کسوٹی تو ہے ہی نہیں ملیح آباد کے پتھروں پر زبان اور الفاظ کی منڈیار گڑتے ہیں اور حالت سکر میں فیصلہ صادر فرماتے ہیں''۳۲

''سنا ہے جوش صاحب ایسے چراغ پا ہوتے ہیں کہ اپنا دماغی توازن کھو بیٹھتے ہیں''۔۳۳

''جوش صاحب کی پیشانی کی کشادگی کا تو یہ عالم ہے کہ ناک کے پانسے سے گدی تک پیشانی ہی پیشانی چلی گئی ہے انہیں منہ دھوتے وقت خاصی پریشانی ہوتی ہو گی کہاں تک دھوئیں''۔۳۴

''اگر جائیداد ہوتی تو تین چار سو روپلی کے لیے ڈاکٹر اقبال کا سفارش نامہ لے کر دکن تک جوتیاں چٹخانے نہ جاتے۔ آپ نے اپنے پرکھوں کا وطن پاکستان کے واسطے چھوڑا؟ وطن ہی کہاں تھا؟ پیدا ہوئے ایک کوردہ میں اور ساری عمر کٹی دوسرے شہروں میں''۔۳۵

''جوش صاحب !ادب میں دھنا سیٹھی نہیں چلتی آپ بچارے کب سے سونٹیا صراف بن گئے ادب کے؟''۔۳۶

پھر وہی بے دلیل دعویٰ ؟ آپ ایک مثال ایسی بتا دیجیے ورنہ کم سے کم چلو بھر پانی میں ناک ہی ڈبو دیجیے''۔۳۷

''بحمد اللہ اٹھارہ کامیاب عشق کیے ہیں (زنا کتنے کیے ؟ یاد نہیں ؟)''۔۳۸

اس کے علاوہ شاہد احمد دہلوی نے ذلت آمیز محاوارات کا بھی بے ذریع استعمال کیا مثلاً مضمون کا عنوان

''نہ جنتی نہ ڈھول بجتے''۔۳۹

''گدھے کی آنکھوں میں نون دیا، ان نے کہا میری آنکھیں پھوڑ دیں''۔۴۰

''آسمان کا تھوکا آپ کے حلق میں آیا مگر آپ کو ذرا شرم نہ آئی ذرا غیرت نہ آئی یا

بے غیرتی تیرا ہی آسرا''۔۴۱

''ہاتھ لا استاد کیوں کیسی کہی''۔۴۲

''آنکھوں کے اندھے ''نام نین سکھ''۔۴۳

اس کے علاوہ جابجا فارسی مصرعے، اشعار اور کہاوتیں بھی تحریر کیں جس میں ذلت کا پہلو نمایاں ہے۔ مثلاً

تا مرد سخن نہ گفتہ باشد

عیب و ہنرش نہفتہ باشد

؎ انچہ در گفتار فخر تست آں ننگ من است

؎ ترا گاہے گریبانے نہ شد چاک

؎ چہ دانی لذت دیوانگی را

زبان دانی کے لحاظ سے شاہد احمد دہلوی اس بات میں فخر محسوس کرتے ہیں کہ وہ دلی والے ہیں اور جوش، ملیح آبادی ہے۔ اور اپنا تعلق میرا من سے جاہ ملاتے ہیں ان کے اس رویے کے متعلق محمد طفیل نے اپنے ایک خط میں شاہد احمد دہلوی کو اس طرح سے لکھا۔

''میرا اندازہ یہ تھا کہ جس طرح آپ کا قلم دوسروں کے لیے حقیقت نگاری کے

جرم میں بدنام ہے یا بے رحم ہے وہ اپنے بارے میں بھی اتنا ہی بے رحم ہو گا مگر

مجھے وہ مضمون (شاہد احمد دہلوی کا اپنا خاکہ مشمولہ گنجینہ گوہر) پڑھ کر افسوس ہوا

کیونکہ وہ مضمون ''در مدح خود'' کی ذیل میں آتا ہے ۔۔۔ان حالات میں' میں

سمجھتا ہوں کہ آپکو اپنے قلم کا مزاج بدلنا چاہیے اس لیے کہ وہ اپنے بارے میں تو

'توصیفی کلمات ہی لکھ سکتا ہے مگر دوسروں کے بارے میں دیدہ دلیر ہے''۔۴۴

بہر طور بیسویں صدی کے تیسرے ربعے میں شروع ہونے والے اس قضیے نے ''افکار'' کے ''جوش نمبر'' میں اپنا سر نکالا او پھر اس قدر پھیلا کہ اُردو ادب کے دو بڑے ادیبوں نے اپنے ساتھ ساتھ اپنے آباؤاجداد کو بھی روند ڈالا ان مضامین کا جائزہ لینے کے بعد یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ کوئی ادبی معرکہ نہ تھا اور نہ معاصرانہ چشمک، کہ اس میں ادب کی کوئی صحت مند روایت سامنے نہیں آتی بلکہ انتہائی اوچھے ہتھکنڈوں سے ایک دوسرے کی ذات، کردار اور شخصیت پر کیچڑ اچھالا گیا اس سے نہ تو اُردو ادب کے سرمائے میں اضافہ ہوتا ہے اور نہ ہی یہ سارا واقعہ ادب کے لیے باعث فخر ہے جہاں دو ادیب بچوں کی طرح جنگ جاری رکھے ہوئے مثلاً شاہد احمد دہلوی نے جوش ملیح آبادی کے لیے کہا 'طویلے کی بلا بندر کے سر' جوش ملیح آبادی نے کہا! میرا منہ تو لال بندر جیسا ہے شاہد احمد دہلوی نے جواباً کہا آپ خود اپنے بارے میں کہو تو میں کیا کہہ سکتا ہوں یہ تمام باتیں ایک عام آدمی کی محسوس ہوتی ہیں، بڑے ادیب کی نہیں ادیب تو زندگی کی مثبت اقدار سامنے لاتے ہیں' اپنے جلو میں تغیر و تبدل کے عناصر لیے ہوتے ہیں، ان کی تخلیقات تو زندگی کو توانائی

اور حسن بخشتی ہیں ادیب اظہار بیان کے نئے نئے وسیلے تلاش کرتا ہے، فنی پیمانے تراشتا ہے اور پھر ادب اور فن کی بیش بہا خدمت کا کام سرانجام دیتا ہے اور ایسا ادب ہی زندہ رہتا ہے۔ بہترین ادبی قارئین میں نیا شعور پیدا کرتا ہے اور اسی شعور کی بدولت نئے تصورات و خیالات جنم لیتے ہیں، نئے مفاہیم پیدا ہوتے ہیں اور معاشرے میں صحت مندانہ رجحانات کو فروغ ملتا ہے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ ہر فرد خامیوں اور خوبیوں کا مرقع ہوتا ہے کوئی بھی شخصیت عیوب سے پاک نہیں مگر اس طرح کسی کی شخصی خامیوں کو قرطاس کی زینت بنا کر پیش کرنا اچھا عمل نہیں ہمیں کسی کے خیالات و نظریات سے اختلاف ہو سکتا ہے مگر کسی کی ذاتی زندگی میں اس طرح جھانکنا اور نہ صرف جھانکنا بلکہ اسے پتھر مارنے کے مترادف ہے یہ عمل ادب کا حسن نہیں بلکہ اسکے لیے زہر ہلاہل ہے جو اسے کبھی زندہ نہیں رہنے دے گا کیونکہ زبان سے نکلا ہر لفظ اور قلم سے نکلی ہر تحریر آپ کی فطرت کی منکشف ہے۔

آدمی 'بزم میں' دمِ گفتار
لب پہ جب کوئی حرف لاتا ہے
در حقیقت خود اپنے ہی حق میں
کچھ نہ کچھ فیصلہ سناتا ہے۔۴۵

حوالہ جات

۱۔ پروین الٰہی، شاہد احمد دہلوی (دہلی: اُردو اکادمی، ۱۹۸۸)، ص ۷۳۔

۲۔ یعقوب عامر، ڈاکٹر اُردو کے ادبی معرکے (دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ۱۹۸۲)، ص ۴۳۲۔

۳۔ امیر حسن نورانی، اردو کے ادبی معرکے: سودا کے عہد سے چکبست و شرر تک (دہلی: شعبہ اردو یونیورسٹی، ۱۹۶۹)، ص ۱۱۔

۴۔ صابرہ سعید، ڈاکٹر، اردو ادب میں خاکہ نگاری (حیدر آباد: مکتبہ شعر و حکمت، ۱۹۷۸)، ص ۳۱۴۔

۵۔ جوش ملیح آبادی، ''رباعی''، مشمولہ، ماہنامہ افکار (جوش نمبر)، شمارہ نمبر ۱۲۳-۱۲۲ (کراچی: اکتوبر، نومبر ۱۹۶۱)، صفحہ ۴۳۶۔

۲۔ علی احمد فاطمی، ''لفظ، معنی اور جوش'' مشمولہ، جوش ملیح آبادی: نئے تناظر میں، مرتبہ: علی احمد فاطمی (الہٰ آباد: ادارہ نیا سفر، ۱۹۹۹ء)، ص ۱۹۹۔

۷۔ محمد حبیب اللہ راشدی، ''جوش، حیدر آباد، پونے اور بمبئی میں''، مشمولہ، ماہنامہ افکار، جوش نمبر (کراچی: اکتوبر، نومبر ۱۹۶۱)، ص ۱۷۷۔

۸۔ شاہد احمد دہلوی، ''جوش ملیح آبادی، دیدہ و شنیدہ''، مشمولہ، ماہنامہ افکار (جوش نمبر)، ص ۲۲۱۔

۹۔ ایضاً، ص ۲۱۹۔

۱۰۔ ایضاً، ص ۲۲۰۔

۱۱۔ ایضاً، ص ۲۲۷۔

۱۲۔ ایضاً، ص ۲۲۹۔

۱۳۔ شاہد احمد دہلوی ''نگاہ اولیں''، مشمولہ، ماہنامہ ساقی (جوش نمبر)، جلد ۶۸، شمارہ نمبر ۴ (کراچی: ۱۹۶۳ء)، ص ۸۔

۱۴۔ جوش ملیح آبادی، ''ضرب شاہد بفرق شاہد باز''، مشمولہ، مقالاتِ جوش، مرتب: سحر انصاری (کراچی: اردو محل پبلشر، اپریل ۱۹۸۲ء)، ص ۴۰۴۔

۱۵۔ ایضاً، ص ۳۹۳۔

۱۶۔ ایضاً، ص ۴۱۸۔

۱۷۔ ایضاً، ص ۴۲۸۔

۱۸۔ شاہد احمد دہلوی، ''نگاہ اولیں''، مشمولہ، ساقی (جوش نمبر)، ص ۸۔

۱۹۔ شاہد احمد دہلوی، ''ایک مکتوبی مثلث: جوش، شاہد اور محمد طفیل''، مشمولہ، ماہنامہ ساقی (جوش نمبر)، (کراچی: ۱۹۶۳ء)، ص ۵۰۱۔

۲۰۔ ایضاً، ص ۵۰۲۔

۲۱۔ عصمت چغتائی، ''خط لکھنا شروع کیا تھا مگر۔۔۔۔'' مشمولہ، ماہنامہ ساقی (جوش نمبر)، ص ۱۸۲۔

۲۲۔ شاہد احمد دہلوی، ''ایک مکتوبی مثلث، جوش، شاہد اور محمد طفیل''، مشمولہ، ماہنامہ ساقی (جوش نمبر)، ص ۵۰۴۔

۲۳۔ شاہد احمد دہلوی، ''نہ جنتی نہ ڈھول بجتے''، مشمولہ، ماہنامہ ساقی (جوش نمبر)، ص ۵۱۳۔

۲۴۔ ایضاً، ص ۵۱۴۔

۲۵۔ ایضاً۔

۲۶۔ ایضاً، ص ۵۱۸۔

۲۷۔ ایضاً، ص ۵۱۹۔

۲۸۔ ایضاً، ص ۵۲۴۔

۲۹۔ ایضاً۔

۳۰۔ ایضاً، ص ۵۲۵۔

۳۱۔ ایضاً، ص ۵۲۷۔

۳۲۔ ایضاً، ص ۵۳۰۔

۳۳۔ ایضاً، ص ۵۳۳۔

۳۴۔ ایضاً۔

۳۵۔ ایضاً۔

۳۶۔ ایضاً، ص ۵۳۹۔

۳۷۔ ایضاً، ص ۵۴۱۔

۳۸۔ ایضاً، ص ۵۴۵۔

۳۹۔ ایضاً، ص ۵۱۳۔

۴۰۔ ایضاً۔

۴۱۔ ایضاً، ص ۵۳۱۔

۴۲۔ ایضاً، ص ۵۳۳۔

۴۳۔ ایضاً، ص ۵۳۸۔

۴۴۔ شاہد احمد دہلوی، ''ایک مکتوبی مثلث، جوش، شاہد اور محمد طفیل''، مشمولہ، ماہنامہ ساقی (جوش نمبر)، ص ۵۰۶۔

۴۵۔ جوش ملیح آبادی، '' انکشاف فطرت''، مشمولہ، ماہنامہ افکار (جوش نمبر)، ص ۳۶۷۔